پشتو ادب میں تفاسیر کا ذخیرہ[1]

حافظ محمد ادریس (شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی)

انگریزی عملداری سے پہلے پشاور کے علاقہ میں علمی اور تعلیمی زبان فارسی تھی، پشتو صرف گھریلو زبان کے طور پر بولی جاتی تھی اس سے زیادہ اس کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک پشتو زبان میں قرآن مجید کی کوئی نمایاں خدمت نہیں ہوئی۔ بیشک لوگ مذہب کے دلدادہ تھے، ان کا دینی جذبہ بلند تھا، وہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے خواہاں تھے، مگر اس غرض کے لئے وہ عموماً فارسی کی "تفسیر حسینی" وغیرہ کو سامنے رکھتے تھے۔ مذہبی امور کے لئے پشتو کتابیں پڑھنا عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ مرد یا تو بالکل ہی کورے رہتے یا پھر فارسی سیکھ لیتے اور اسی کی مدد سے اپنی علمی اور مذہبی تشنگی بجھاتے۔

تاہم یہ دعویٰ کرنا شاید زیادتی ہو کہ انیسویں صدی سے پہلے پشتو زبان میں قرآن مجید کی قطعاً کوئی خدمت نہیں ہوئی۔ جب پوری کی پوری قوم مسلمان تھی اور ان میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کا شوق عام تھا، خاص کر علوم فقہیہ کے بڑے بڑے جید علماء موجود تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے کسی نے بھی قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی طرف توجہ نہ دی

---

[1] یہ مقالہ جامعہ سندھ حیدرآباد کی اسلامی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔

ہو۔ لیکن پوری اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی کے نصف اوّل میں ہماری قوم بہت بڑے سیاسی بحران میں مبتلا تھی۔ ہم کبھی درانیوں سے دست وگریباں رہے کبھی قبائلی خانہ جنگیوں میں مبتلا رہے اور کبھی سکھوں کے سیلاب بلا کو بزور شمشیر روکتے رہے۔ ان پیہم اور مسلسل جنگوں میں عموماً ہمارے سیاسی رہنما وہی حضرات ہوتے جو ہمارے مذہبی پیشوا کہلاتے۔ اس لئے جب دشمن غلبہ پاتا تو سب سے پہلے ان علماء کا سرمایہ لٹتا اور ان کے گھر مسمار ہوتے۔ اس طرح ہمارے بہت سارے علمی ذخیرے دست برد زمانہ کا شکار ہوگئے اور انیسویں صدی کے اواسط تک متفرق سورتوں کے تراجم یا ادعیہ ماثورہ کے علاوہ ہم کسی مکمل ترجمہ یا تفسیر کا سراغ نہیں دے سکتے۔

غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہماری قوم نسبتہً زیادہ قدامت پسند تھی۔ قرآن مجید کے بارے میں ان کی احتیاط اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ امکان بھر اس پاک کتاب کا ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ پر دہلی میں ہڑبونگ مچا اور لوگ ان کے قتل کے درپے ہوگئے، اسی طرح انیسویں صدی کے اوائل میں جو شخص بھی پشتو ترجمہ اور تفسیر لکھنے کی جرأت کرتا نیم ملا قسم کے لوگ، اس کی جان کے دشمن ہوجاتے اور اسے لینے کے دینے پڑجاتے۔

انیسویں صدی کے اواسط میں ہمارے ہاں ایک منظم حکومت قائم ہوئی سیاسی بحران ختم ہوگیا اور زندگی کی نئی قدریں سامنے آنے لگیں۔ انگریزی عملداری میں ایک طرف فارسی زبان کا اثر ورسوخ کم ہوا۔ دوسری طرف جگہ جگہ مطابع کھل گئے۔ ہندوستان کی طرف آمد ورفت بڑھ گئی اور لوگوں کی ذہنیتوں میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوگئی رفتہ رفتہ لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس اپنی زبان میں کلام اللہ کا ترجمہ اور تفسیر موجود ہونا چاہئیے تاکہ وہ احکام خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکیں اور ان پر خاطر خواہ عمل کرسکیں۔

اس سلسلہ میں پہلے پہل بعض علماء نے مختلف سورتوں کے علٰحدہ علٰحدہ ترجمے لکھے جو مقبول ہوگئے۔ بعد میں مستقل تفسیروں کا سلسلہ شروع ہوا اور رفتہ رفتہ ہمارے

پاس قرآن مجید سے متعلق ایک معتدبہ اور قابلِ قدر ذخیرہ جمع ہوگیا۔

تفسیرِ یسیر پشتو زبان میں سب سے پہلی، سب سے مستند اور سب سے ضخیم تفسیر "تفسیرِ یسیر" ہے، جو حضرت مولانا مراد علی صاحب ولد حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن السیلانی ساکنِ کامہ، جلال آباد کی تصنیف ہے۔ مصنّف علّام بہت بڑے عالم اور مشہور صوفی تھے۔ انہوں نے اب سے پورے ایک سو سال بیشتر سنہ ۱۲۸۲ھ میں یہ تفسیر لکھنی شروع کی اور دو سال کے اندر اندر پایۂ تکمیل کو پہنچادی۔ خود مصنف علام نے لفظ 'افراغ' (۱۲۸۲ھ) سے سالِ آغاز اور لفظ 'غرندل' (۱۲۸۴ھ) سے سالِ اتمام کی تاریخ نکالی ہے۔

علامہ موصوف عربی، فارسی اور پشتو کے ادیب تھے۔ تینوں زبانوں میں نظم ونثر لکھنے پر خاصی قدرت رکھتے تھے۔ معتقدین اور متوسلین کا وسیع دائرہ رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تفسیر بہت جلد مقبول ہوئی اور سارے ملک میں پھیل گئی۔

اس تفسیر کے سبب تالیف کے بارے میں فاضل مصنّف لکھتے ہیں:۔

قد الحّ علیّ بعضُ الاخوانِ المکرّمینَ لدیّ بین ابناء الزمان الذین لا یدعُنی مجالستُھم ثمّ لَا یَسَعُنی مخالفتُھم ان ارقم لھم تفسیر القرآن المجید وترجمۃ الفرقان الحمید باللسان السلیمانی مع اختصار المبانی یسھل علی الطالبین ضبطہ ولا یصعب علی الحالبین ربطہ فشرعتُ فیہ بتوفیق الملک المنان۔ ومنہ النصر والھدایہ وعلیہ التکلان —

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

دارم امید آنکہ فہیمانِ روزگار ۔۔۔ تفسیر من قبول نمایند ہر زماں
زیرا کہ در جہاں ہست تفاسیر بیشمار ۔۔۔ لیکن نہ با زبانِ سلیمانی اندآں
افراغ (۱۲۸۲ھ) سال پنجم شوال شد شروع ۔۔۔ تفسیر بہر زمرہ افغاں بایں زباں

تفسیر میں مصنف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ آیت شریفہ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرتے اور ساتھ ساتھ ترجمہ وتفسیر کرتے جاتے ہیں۔ جب آیت ختم

ہوجاتی ہے تو متعلقات کی مزید تفصیلات پیش کر دیتے ہیں۔ البتہ شان نزول آیت سے پہلے لکھتے ہیں۔ ترجمہ نیم لفظی نیم محاورہ قسم کا ہوتا ہے۔ آیت کے مقدرات، اشارات، دلالات اور اقتضاءات کا تشریحی ذکر ترجمہ ہی میں کر جاتے ہیں۔ اس طرح پڑھنے والا گو ترجمہ اور تفسیر میں امتیاز نہیں کر سکتا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ قرآن حکیم کے حکیمانہ مفہوم کو اخذ کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر علاقے کے مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول ہے اور اکثر پڑھے لکھے گھرانوں میں رکھی اور پڑھی جاتی ہے۔

اب اس تفسیر کی طباعت پر ایک صدی بیت چکی ہے اس پرشور و ہنگامہ خیز صدی میں دوسری چیزوں کے دوش بدوش زبان نے بھی کافی ترقی کی ہے۔ بعض الفاظ متروک ہوگئے ہیں۔ بعض الفاظ صرف علاقائی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور بعض نے نئے معنی اختیار کر لئے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے کتاب پر مختصر سے حواشی چڑھا کر مشکل الفاظ کے معنی حل کئے ہیں، ان میں سے ایک کا نام 'تیسیر الیسیر' اور دوسرے کا نام 'فوق الیسیر' ہے۔

یہاں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ 'تفسیر یسیر' کی زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کی بہتات ہے، جن کا سمجھنا عوام کے لئے دشوار ہے۔ اس لئے جس طبقہ میں یہ کتاب متداول ہے وہ بھی اس سے کما حقہ فائدہ نہیں لے سکتا۔ ترجمہ کے علاوہ مصنف کے قلم پر ترجمہ کا طرز کچھ اس طرح چھا گیا ہے کہ وہ اپنی آزاد عبارت بھی عربی نما ترجمہ کی طرح لکھتے ہیں اور یہی اس دور میں علماء کی مخصوص زبان تھی، اور فضیلت کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔

تفسیر قرآن کے ضمن میں فاضل مصنف نے اسرائیلیات کی روایت میں بھی فراخدلی دکھائی ہے۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس معاملہ میں بہت سارے حضرات نے وسیع المشربی سے کام لیا ہے اور سلجھانے کے شوق میں بات کو اور زیادہ الجھا گئے ہیں۔

مخزن التفاسیر

تفسیر لیسیر کے بعد جس بزرگوار نے قرآن مجید کی خدمت کے لئے قلم اٹھایا وہ مولانا محمد الیاس پشاوری کوچیانی تھے۔ کوچیان پشاور سے شمال کی طرف وارسک جانے والی سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس فاضل محقق نے دیکھا کہ تفسیر لیسیر میں ترجمہ اور تفسیر دونوں خلط ملط ہو گئے ہیں اور پڑھنے والا ٹھیک طرح سے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ کونسا لفظ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ اس لئے انہوں نے مخزن التفاسیر کے نام سے ایک تفسیر لکھی، اس میں لفظی ترجمہ عربی عبارت کے نیچے لکھا اور تفسیری مسائل اوپر حاشیہ میں درج کئے۔ ترجمہ تحت اللفظ کیا اور عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کم کئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عربی سے شدبد رکھنے والے لوگ بآسانی یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ پشتو کا کونسا لفظ عربی کے کس لفظ کے معنی دے رہا ہے۔ مگر ہمارے ہاں لفظی ترجمہ میں بڑی مشکل یہ آپڑی ہے کہ یہ حضرات حروف عاملہ کے بھی ہو بہو وہی معنی لکھتے ہیں جو اصل عربی میں مراد ہوتے ہیں حالانکہ ہر زبان کے صلے مخصوص ہوتے ہیں اور ایک زبان کا صلہ اکثر دوسری زبان میں کام نہیں دیتا۔ ایک نوع کی زبانوں میں تو شاید یہ سلسلہ تھوڑا بہت چل بھی سکے، لیکن ... کا ترجمہ آریائی زبان میں کیا جائے اور اس میں حروف ... کے مخصوص معنی رہنے دیئے جائیں تو ترجمہ "گلابی" ہو کر رہ ... مطلب غت ربود ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ حضرات ... عربی کی تبعیت میں مضاف کو مضاف الیہ پر اور موصوف کو ... مقدم رکھتے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید کی حلاوت بھی ختم ہو جاتی ہے ... والے کے پلّے بھی کچھ نہیں پڑتا۔ لوگ ایسے ترجمے کو صرف ثواب اور تبرک سمجھ کر پڑھ تو لیتے ہیں مگر فہم کی لازوال دولت سے محروم رہتے ہیں۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مخزن التفاسیر عوام میں وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو اس کا جائز حق تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ مصنف نے بجائے مقامی ناشرین کے دہلی کے مطبع خادم الاسلام سے معاہدہ کیا اور ۱۳۱۳ھ میں یہ کتاب وہاں چھپ گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی ناشرین نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی — اور

کتاب کے اکثر نسخے دہلی ہی میں رہ گئے۔

اس کے علاوہ ایک افتاد یہ پڑگئی کہ کاتب کا رسم الخط ناقص تھا، اس نے بہت جگہ حروف کا کام حرکات سے لیا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ حرکاتِ ثلثہ حروفِ علت کی مخفف شکلیں ہیں۔ اس لئے جگہ جگہ تخفیف کے اس کلہاڑے کو بے دریغ چلایا جس سے کتاب کی قیمت بہت زیادہ گھٹ گئی۔

دوسری زبانوں کے خلاف پشتو میں ایک تکلیف یہ ہے کہ اس کا رسم الخط اب تک متعین نہیں ہو سکا۔ مصنف ہمیشہ کاتب کے رحم و کرم پر رہتا ہے، اگر کاتب ماہر نہ ہو تو مصنف کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے اور کتاب کا حلیہ بالکل بگڑ جاتا ہے اس عذاب کو کچھ وہی لوگ بہتر جانتے ہیں جنہیں میری طرح ایک ایک کتاب لکھوانے کے لئے پانچ پانچ کاتب بدلنے پڑے ہوں۔

ترجمۂ مولانا عبدالحق

مولانا الیاس کو چھاپنی کے تھوڑے دنوں بعد انہی کے علاقہ کے ایک مشہور فاضل مولانا عبدالحق درہنگوی نے ایک ترجمہ شائع کیا۔ درہنگی پشاور سے شمال کی طرف ورسک کی سڑک پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مولانا ایک فصیح و بلیغ اور قادر الکلام عالم تھے۔ الفاظ گویا ان کے سامنے دست بستہ حاضر رہتے تھے اور جملے ان کی زبان پر آکر ازخود کھل جاتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ اس سادگی اور سلاست سے کیا کہ لفظی بھی ہو اور عام فہم بھی ہو۔ انہوں نے عربی اور فارسی کے الفاظ کا بوجھ کم کرکے خالص عوامی زبان لکھی اور ترجمے کے انداز کو نسبتہً بہتر بنایا۔ نیز یہ کتاب موٹے حروف میں چھپ گئی، اس لئے بوڑھے لوگوں میں جلد مقبول ہو گئی۔

ترجمہ کے حواشی پر مولانا نے مختلف تفاسیر سے متفرق فوائد دیئے ہیں جو زیادہ تر موضح القرآن، ابن کثیر اور تفسیر تیسیر سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کی ضخامت بڑی تقطیع پر ایک ہزار صفحات کے لگ بھگ ہے اور یہ ضخامت زیادہ تر موٹا قلم استعمال کرنے کی رہین منت ہے۔

تفسیر حسنی | اسی زمانہ میں ملا محمد حسین الواعظ الکاشفی الہروی کی تفسیر حسینی کا پشتو ترجمہ ہوا۔ یہ ترجمہ کوٹ وارث کے مولانا عبداللہ اور ان کے ایک شاگرد عبدالعزیز عادل گرڈھی نے کیا۔ پشاور کے ایک رئیس قاضی محمد حسن جان نے ان کی سرپرستی کی، اور اسی لئے تفسیر حسنی کے نام سے ۱۹۱۳ء میں بمبئی میں چھپ گئی۔ ترجمہ کی زبان معمولی ہے اور تفسیر حسینی اور تفسیر حسنی میں وہ قرب نہیں پایا جو حسن اور حسین جیسے دو ناموں میں ہونا چاہئے۔

ترجمہ شیخ الہند | اس دوران میں ایک پشتو تفسیر افغانستان میں لکھی گئی۔ ملک کے چند مستند اور جید علما نے مل کر حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسنؒ کے اردو ترجمے کو پشتو سانچے میں ڈھال لیا۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی کو بطور تفسیر ترجمہ کیا۔ ترجمہ میں جگہ جگہ قوسین کے ذریعے پشتو زبان کے ساتھ تھوڑی بہت مطابقت پیدا کی گئی۔

یہ تفسیر ان تمام خوبیوں پر مشتمل ہے جو ان دونوں شیوخ کے تحریر کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ ترجمہ تحت اللفظ ہے اور اصل سے قریب ترین ترجمہ ہے۔ رہ گئی استناد، تو اس کے لئے حضرات شیخ الہند و شیخ الاسلام کے اسمائے گرامی سے بہتر ضمانت کیسے دی جاسکتی ہے۔

یہ تفسیر نہایت عمدہ کاغذ پر آہنی حروف کے ذریعہ چھپی ہے۔ قرآن مجید کی عبارت نہایت موٹے حروف میں مرتب کی گئی ہے۔ ترجمہ کی عبارت متوسط حروف میں چھاپی گئی ہے اور تفسیر کی عبارت باریک ٹائپ میں دی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب پورے چار ہزار صفحات پر پھیل گئی ہے۔

اس تفسیر میں ایک پیچ یہ پڑ گیا ہے کہ ترجمہ براہ راست عربی سے نہیں بلکہ اردو ترجمے سے ترجمہ کیا گیا ہے گویا یہ ترجمہ نہیں بلکہ ترجمۃ الترجمہ ہے۔ پھر جس ترجمے سے ترجمہ ہوا ہے وہ اپنی جگہ سہل ممتنع کی حیثیت رکھتا ہے ؎

اذا قیل اطمعَ الناسَ طـرّاً   واذا دِیـمَ اَعجزَ المعجزینا

دوسرے یہ کہ اس ترجمے میں فارسی اور عربی کے ایسے ایسے ثقیل الفاظ آگئے ہیں کہ لغت دیکھے بغیر حل نہیں ہو سکتے۔ اس ترجمے کو دیکھ کر مجھے مرزا غالب کا وہ دور یاد آجاتا ہے جب انہوں نے پہلے پہل فارسی سے اردو شاعری کی طرف توجہ منعطف فرمائی تھی۔ بحالاتِ موجودہ اس تفسیر کا عوامی بن جانا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر اس کی زبان آسان کر دی جائے، معمولی کاغذ پر چھپ جائے اور قیمت کم رکھی جائے تو غریب عوام کے کوتاہ ہاتھ اس کی بلندیوں تک پہنچ سکیں گے۔ اور یہ انشاء اللہ مقبول ہو جائے گا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اب سے تیس پینتیس سال پیشتر تک ہم پر خود فراموشی کا ایک ایسا عالم طاری تھا کہ ہم پشتو میں لکھنے پڑھنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ سن ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ہمارے ہاں آزادیٔ وطن کے لئے ایک سیاسی تحریک اٹھی اور اس کی بدولت پشتو کی باسی ہانڈی میں ابال آیا۔ قوم کی توجہ اپنی علاقائی زبان کی طرف دوبارہ پھر گئی اور ادب نے اچھی خاصی ترقی کی۔ لیکن اس دوران میں قرآن مجید کی کوئی خاص خدمت نہیں ہو سکی۔ غالباً اس لئے کہ یہ تحریک خالص سیاسی تحریک تھی اور اسے مذہبی خدمات کے ساتھ کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ البتہ اس تحریک کی بدولت زبان نکھر گئی اور اس کے اسالیبِ بیان نمایاں طور پر بدل گئے۔

تفسیر ودودی

پاکستان قائم ہونے کے بعد تہکال بالا کے مولانا فضل ودود نے قرآن مجید کے پندرہ پاروں کا ترجمہ مع تفسیر ودودی لکھا۔ مولانا عربی اور پشتو کے بہترین خوشنویس ہیں، انہوں نے فرصت کے لمحوں سے فائدہ اٹھا کر سترہ پاروں کا لفظی ترجمہ اس طرح لکھا کہ اسے بامحاورہ بنانے کے لئے جگہ جگہ توسین کا استعمال کیا۔ حواشی پر خازن، معالم التنزیل، جمل اور روح البیان وغیرہ تفاسیر سے فوائد نقل کئے اور اس طرح پشتو ترجمے کی ایک ترقی یافتہ شکل سامنے آگئی۔ بعض تجارتی وجوہات کی بنا پر مصنف اس کام سے دل برداشتہ ہو گئے اور تفسیر کی تکمیل مولانا گل رحیم الاساری کے حصہ میں آئی جو یار حسین ضلع مردان کے ایک فاضل

خوشنویس ہیں۔ یہ ترجمہ اپنے ماسبق ترجموں سے نسبتہً بہتر اور آسان ہے۔ پہلی جلد میں ہر لفظ کا ترجمہ اس لفظ کے نیچے آگیا ہے مگر جلد دوم میں اس کا التزام نہیں ہو سکا ہے اس کا تفسیری حصّہ کسی قدر مختصر ہے اور لطف یہ کہ اس کے دونوں مصنف خوشنویس اور پیشہ ور کاتب ہیں۔

کشّاف القرآن اگر اس موقعہ پر میں محتاط لہجے میں اپنا ذکر کروں تو شاید بے محل نہ ہو۔ مجھے ایک عرصہ سے رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ قرآن مجید عربوں کے محاورہ میں اترا ہے اور اس کا وہی ترجمہ بہتر اور زیادہ مفید ہو سکتا ہے جو با محاورہ ہو۔ لیکن میرے سامنے اس قسم کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے قلم اٹھانے کی جرأت نہیں پڑتی تھی۔ مدت دراز کے سوچ بچار اور حکیم الامّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دیکھ لینے کے بعد میں نے قلم اٹھایا۔ پہلے نمونے کے طور پر صرف پہلا پارہ چھپوایا پھر چند سال کے بعد آخری پارہ شائع کیا اور جب اہل فہم و دانش نے میری حوصلہ افزائی کی تو اب سے تین سال پہلے کشّاف القرآن کے نام سے پندرہ پاروں کی ایک جلد شائع ہوگئی، دوسری جلد ابھی تک زیر طبع ہے۔

اس تفسیر پر رائے دینا میرا منصب نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ پشتو زبان میں با محاورہ ترجمہ اور سلیس تحریر کی پہلی کوشش ہے۔ اس کے تفسیری حصّہ میں صرف ان مباحث کے عقدے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے جو براہِ راست قرآن مجید سے متعلق ہیں۔ صرف ضروری شانِ نزول دیئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں ربطِ آیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسرائیلیات سے احتراز کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کے اغلوطات کی تردید کی گئی ہے، بعض مشکل الفاظ کے معنی اور بعض ترکیبوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ پشتو زبان میں قرآن مجید کی تفسیریں لکھنے والوں کے لئے کشّاف القرآن سنگ میل کا کام دے گی اور وہ اپنے کو اس سے بالکل مستغنی نہیں پائیں گے۔

ان ترجموں اور تفسیروں کا تذکرہ کرنے کے دوران میں نے قصداً ان کے مذہبی

رجحانات کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ پٹھان من حیث القوم اہل سنت والجماعت اور حنفی ہیں۔ وہاں جو بھی تفسیر لکھی جائے گی وہ اسی ایک نہج پر لکھی جائے گی۔ اگر کوئی شخص ہمارے مذہب کا مخالف ہے تو اسے تفسیر لکھنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ وہ جس دوسرے میدان میں چاہے اپنے خیالات کے گھوڑے دوڑاتا رہے مگر ہمارے اس متاع عزیز پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کرے ورنہ وہ ہاتھ زمین پر تڑپتا نظر آئے گا۔

اوپر ان تفسیروں کا ذکر ہوا جو مکمل ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ چند چیزیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے خاص خاص حصوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

قصب السکر فی تفسیر سورۃ الکوثر ان میں سے مجھے قصب السکر فی تفسیر سورۃ الکوثر نے زیادہ متاثر کیا۔ مصنف کو حافظ ابن تیمیہؒ کی تفسیر سورۃ الکوثر پسند آگئی۔ انہوں نے اسے پشتو نظم کا جامہ پہنا دیا۔ اور ۱۲۹۸ھ میں ریاض ہند پریس امرتسر میں چھپوایا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمارے ہاں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا نام لینے پر زبانیں کٹتی تھیں اور ان کو امام کہنا کافر کہلانے کے لئے کافی تھا۔ افسوس یہ ہے کہ مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا گمان غالب یہ ہے کہ یہ صاحب، نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم کے نانا ملا سید امیر صاحب کوٹھہ یا ان کے کوئی فاضل مرید تھے۔

تفسیر والضحیٰ یہ سورۃ والضحیٰ کی منظوم تفسیر ہے۔ اس کتاب کی کہانی کچھ عجیب ہے۔ اب سے تقریباً ایک سو اسی سال پیشتر ۱۲۰۶ھ میں تحت ہزارہ علاقہ گوندل ضلع کیمبلپور کے ایک نابینا عالم معزالدین نے چھاچھی پنجابی میں تفسیر والضحیٰ لکھی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کتاب پشتو کی تفسیر والضحیٰ مصنفہ غلام محمد سے ترجمہ کی اور غلام محمد نے اپنی تفسیر شیخ حمیدالدین ناگوری کی تصنیف بحرالمرجان سے اخذ کی تھی۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے، فہرست مکتبہ اسلامیہ کالج۔ پشاور عدد مسلسل ۱۰۱۵الف)
بہرحال آج کل جو تفسیر والضحیٰ بازار میں ملتی ہے وہ یقیناً کوئی نئی تصنیف ہے۔

اگر اصل تصنیف کا نسخہ ہاتھ آجائے تو ارباب تحقیق کے لئے ایک نادر ذخیرہ ثابت ہوگا۔

تفسیر بے نظیر یہ انتیسویں اور تیسویں دو پاروں کی مختصر تفسیر ہے۔ نامعلوم الاسم مصنف حوادث زمانہ کی تاب نہ لاکر تارک الدنیا ہوگیا۔ اور سیاحت کرتے کرتے چین تک پہنچ گیا۔ وہاں اس نے یہ تفسیر لکھی جو ۱۳۰۲ھ میں چھپ گئی، مقدمہ نظم میں ہے۔ باقی کتاب قدیم طرز کی نثر میں ہے۔

تفسیر الظاہر آج کل کے علماء میں سے مولانا عبدالودود سرحدی نے پہلے پارہ کی تفسیر 'تفسیر الظاہر' کے نام سے چھاپی۔ وجہ تسمیہ نام سے ظاہر ہے۔ مگر دماغی امراض میں مبتلا ہونے کے سبب اس میدان میں آگے نہ بڑھ سکے۔

تفسیر اکوڑہ خٹک اکوڑہ خٹک کے مولانا سید شاہ گل صاحب نے بھی ایک مبسوط تفسیر لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا مگر کثرت مشاغل، اہتمام جامعہ اسلامیہ اور رجوع مریدین کے سبب پہلے جزو سے آگے نہ بڑھ سکے۔

تفسیر حبیبی رستم ضلع مردان کے ایک فاضل مولانا حبیب الرحمٰن نے تفسیر المنار مصنفہ شیخ محمد عبدہ المصری کا خلاصہ پشتو میں لکھنا شروع کیا اور اس کا نام تفسیر حبیبی تجویز کیا۔ اب تک اس کے چار پارے الگ الگ شائع ہوئے ہیں۔

حضرات! سطور بالا میں ہم نے جن کوششوں کا سرسری جائزہ لیا ہے، یہ سب بہ استثناء ایک کے، متفرق علماء کی انفرادی محنت کے ثمرات تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہمارے علاقہ میں علوم دینیہ کے لئے کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں تھا، طلبہ ایک کتاب پڑھنے کے لئے اساتذہ کی تلاش میں سینکڑوں میلوں کا سفر کرتے یا پھر وطن چھوڑ کر دیوبند پہنچ جاتے اور علوم و فنون کی دولت لے کر واپس لوٹتے۔

تقسیم ملک کے بعد یہ سلسلہ بند ہوا تو ہم نے مدارس کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ خدا کے فضل اور عوام کی ہمت سے جگہ جگہ دارالعلوم بنے۔ اور متعدد مقامات پر تفسیر و حدیث کے چشمے ابلنے لگے۔ اس کے علاوہ ہماری حکومت نے بھی علم دین پڑھنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس غرض کے لئے پشاور یونیورسٹی نے اسلامیات کا ایک الگ شعبہ کھول دیا جو پاکستان بھر میں اپنی قسم کا واحد ادارہ ہے ان اداروں سے جو لوگ فارغ ہو رہے ہیں وہ نیا دل و دماغ لے کر میدان میں آ رہے ہیں۔ امید ہے کہ ان نجی اور سرکاری درسگاہوں کی بدولت مستقبل قریب میں علماء کی ایک ایسی صالح جماعت تیار ہو جائے گی جس کے مقدس ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے لے گا اور ہمارے دل معارفِ قرآنی کے انوار سے معمور ہو جائیں گے۔

مولانا عبیداللہ سندھی

مصنف:۔ پروفیسر محمد سرور

مولانا مرحوم کے حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار پر یہ کتاب ایک جامع اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک عرصے سے نایاب تھی۔ یہ کتاب دین، حکمت، تاریخ اور سیاست کا ایک اہم مرقع ہے۔

قیمت:۔ مجلد چھ روپے پچھتر پیسے

سندھ ساگر اکادمی

چوک مینار۔ انارکلی۔ لاہور